تعلیمات قرآن پر ایک نظر

(از جناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز ہوم ڈیپارٹمنٹ شملہ)

"اسلام دین فطرت ہے" (۳۰:۳۰)

یہ قرآن کا دعویٰ اور ہمارا ایمان ہے تفصیل اس اجمال کی خواہ کسی قدر طول طویل کیوں نہ ہو، مفہوم اس کا یہی ہے کہ اسلام کی تعلیم اس قدر سادہ اور سیدھی دل میں اتر جانے والی ہے، اس کے اصول قوانین فطرت کی طرح، ایسی محکم اور غیر متبدل بنیادوں پر قائم کئے گئے ہیں کہ اس کو قبول کرنے میں ذہن کو، اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے قلوب وجوارح کو، انسانی فطرت کے خلاف جنگ نہیں کرنی پڑتی، نہیں! بلکہ یہ عین فطرت ہے اور اقتضائے فطرت کی طرح تمام نوع انسانی اسے قبول کرنے کے لئے مجبور ومجبول ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ جس تعلیم کو عام طور پر آج اسلام کے نام سے پکارا جاتا ہے وہ ایسے لاینحل مباحث اور پیچیدہ مسائل کا مجموعہ بن کے رہ گئی ہے کہ بلاکاہش وتردد قبول کرنا تو ایک طرف انسان کی کاوشیں ہزار سلجھانے کی کوشش کریں، اس کی الجھنیں پیچیدہ تر ہوتی چلی جاتی ہیں۔ دین فطرت کی حقیقی روح تو ہمیں قرن اول میں نظر آتی ہے جبکہ اس سیدھی سادی لیکن واضح تر اور مکمل تر تعلیم نے چند سال کے عرصہ میں ایک اونٹ چرانے والی قوم کو ایک طرف اگر قیصر وکسریٰ کی سلطنتوں کا مالک بنادیا، تو دوسری طرف اخلاق حسنہ کے اس بلند ترین معیار پر پہنچا دیا کہ دنیا کی تاریخ اس کی نظیر پیش نہیں کرسکتی۔ ہوتا کیا تھا؟ چند اصول تھے جن پر غائبانہ ایمان، غیر متزلزل ایمان، اور بلا شائبہ تشکیک ایمان ہوتا تھا۔ اس کے بعد عمل کی یہ کیفیت کہ قرآن میں حکم آیا، رسولؐ نے اس کی عملی شکل متعین کردی اور انہوں نے کرکے دکھادیا۔ وَذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ۔

لیکن یہ دور عمل، یہ سیدھا سادھا سپاہیانہ عہد جلد گزر گیا، خلافت ملوکیت سے بدل گئی اور

اس کے ساتھ ہی عجمی تکلفات اسلامی عنصر میں سرایت کر گئے ۔ فرصت کا زمانہ ۔ فراغت کے دن ۔ ماہرین علوم وفنون کو باریکیاں تلاش کرنے کی مہلت مل گئی ۔ ادھر عجمی معاندین خوب سمجھ چکے تھے کہ اسلام کی علمی اور کیرکٹر کی قوت کے مقابلہ میں وہ کبھی نبرد آزما نہیں ہو سکتے ۔ انہوں نے موقعہ غنیمت جانا بحث و تمحیص اور مناظرہ و مجادلہ کے میدان میں آن اترے ۔ پہلے یہ حالت تھی کہ ادھر قال اللہ تعالیٰ کی آواز کان میں آئی ۔ اور ادھر وہ قال حال کی صورت میں تبدیل ہو گیا ۔ اب انہوں نے ان کو اس لفظی بحث میں الجھا دیا کہ جب اللہ کے ساتھ قال کا لفظ لائے تو اس قال کی نوعیت کیا ہوتی ہے ؟ چنانچہ ماہیتِ خدا ، کیفیت نبوت ، حقیقت ملائکہ ، اصلیت مبدا ومعاد کی بحثیں شروع ہو گئیں ۔ بحث کا مدار ہمیشہ منطق وفلسفہ پر ہوتا ہے ۔ یونانی فلسفہ عربی میں منتقل ہوا ۔ اناجیل کے ابواب کی تشریحات ہوئیں ۔ اسرائیلیات کے اضافے عبرانی سے منتقل کئے گئے ۔ اگر یہ تمام علمی کاوشیں اپنی اپنی جگہ پر رہتیں تو لٹریچر میں بیش بہا اضافہ کی موجب ہوتیں لیکن مصیبت یہ آن پڑی کہ ایک طرف تو قرآنی حقائق کی کھینچ تان شروع ہو گئی کہ کسی طرح اسے یونانی فلسفہ کے مطابق ثابت کر دیا جائے[1] ۔ دوسری طرف قصص قرآنی ، کہ جن کے صرف ضروری اور متعلقہ حصص خدائے حکیم وعلیم نے اپنی حکمت بالغہ کے ماتحت قرآن میں بیان فرمائے تھے ، اسرائیلیات کی مدد سے مربوط ہونے شروع ہو گئے ۔ نتیجہ یہ کہ ایک طرف تو قوائے عملیہ زنگ آلود ہو گئے اور دوسری طرف اسلام کی سیدھی سادی اور فطرتی تعلیم ، اصول فلسفہ کی موشگافیوں اور قصص وحکایات کی توہم پرستیوں کی نذر ہو گئی ۔

متکلمین کی نکتہ آفرینیوں سے کچھ سکون ہوا تو قرآن سے شاعری شروع ہو گئی ۔ اس میں کلام نہیں کہ قرآن نے اپنے آپ کو جو بے مثل و بے نظیر کہا تو اس کا منفرد المثال ہونا صوری ومعنوی ہر دو لحاظ سے تھا لیکن لفظی اعجاز بہرکیف ایک ثانوی چیز تھا جو اللہ تعالیٰ نے جہاں توریت و قرآن کی تحدی کی ہے ۔ وہاں واضح کر دیا کہ اس سے اصل مقصود کیا ہے

[1] بعینہ اسی طرح آج سب سے بڑی اسلامی خدمت اس کو سمجھا جاتا ہے کہ قرآن کو منکرین یورپ کا ہم نوا ثابت کر دیا جائے حالانکہ خود ان سائنس دانوں کی بھی یہ حالت ہے کہ ایک کے جھٹلانے کے لئے دو دو موجود ہوتے ہیں قرآنی یقین کے مقابلہ میں انسانی نظریات بہرحال ظنی ہیں ۔ وَمَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۔ (۵۳ - ۲۸) ان کو اس کے متعلق کچھ علم تو ہے نہیں محض گمان کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ گمان حق کے بالمقابل کچھ کارآمد نہیں ہوتا ۔ پرویز ۔

قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِندِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا أَتَّبِعْهُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (۲۸-۵۰) ان سے کہدیجئے کہ اگر تم سچے ہو (اور یہ کتابیں جھوٹی ہیں) تو تم خدا کے پاس سے کوئی اور کتاب لے آؤ جو ان دونوں سے ہدایت میں بہتر ہو۔ پھر میں بھی اس کی پیروی کرنے کو تیار ہوں۔

لیکن وہ ظاہری محاسن کے استیعاب میں اس اہتمام و انصرام سے منہمک ہوگئے کہ اس کی باطنی حقانیت نظر انداز ہوگئی۔ لغت۔ صرف و نحو علم الانشاء، علم المعانی، علم البیان علم البدیع۔ وغیرہ مرتب و مدون ہوئے اور پھر ان کے معیار پر قرآن کو جانچ کر ادب و شاعری کی انسانی تصانیف پر اس کو فوقیت دینے کی کوششوں میں تمام ذہنی قوت صرف کر دی گئی۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ جس عہد سعادت مہد میں قرآن نے وہ نتائج پیدا کئے تھے جن کو دیکھ کر آج تک دنیا کے مفکرین انگشت بدنداں ہیں، اس عہد میں ان علوم کا کہیں نشان نہ تھا۔ ان کی نگاہ پوست اور غلاف پر نہ تھی بلکہ عروس حقیقت ان کی آنکھوں کے سامنے بے نقاب ہو چکی تھی لیکن اس حقیقت کو ایک مرتبہ پھر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میرا مقصد یہ نہیں کہ حضرات متقدمین (علیہم الرحمۃ) کی ان علمی خدمات کی کسی طرح تنکیر و تحقیر کی جائے۔ ہم متأخرین پر ان کے جو علمی احسانات ہیں ان سے انکار کرنا حقیقتاً ناشکری اور قدر ناشناسی ہے لیکن ہر علمی دور کا ایک مخصوص رجحان ہوتا ہے۔ اس وقت اسی چیز کو اہم سمجھا گیا ہوگا اور تشریح مسائل اور تدوین علوم متعلقہ قرآن کے اسی شعبہ دراسی نہج کو انفع و انسب خیال کیا گیا ہوگا لیکن جس چیز نے مشکل پیدا کر دی وہ یہ تھی کہ ان کی یہ علمی تحقیقات تحقیق و تفتیش کے حدود سے آگے بڑھ کر عین دین قرار پا گئیں نتیجہ یہ ہوا کہ انکے بعد مزید تدبر و تفکر فی القرآن کا گویا دروازہ بند ہوگیا۔

ؔ علم المعانی والبیان پر غالباً عبد القاہر جرجانی (المتوفی سنہ ۴۷۱ھ) نے سب سے پہلی کتاب لکھی۔ لغت کی ابتدا خلیل بن احمد (المتوفی سنہ ۱۷۵ھ) نے کی۔ علم بدیع کا موجد ابن المعتز (المتوفی سنہ ۲۹۶ھ) ہے علم نحو کی ابتدا اگرچہ ابو الاسود الدؤلی (المتوفی سنہ ۶۹ھ) سے ہوئی لیکن انہوں نے اس موضوع پر صرف چند مبادیات لکھے لیکن سیبویہ (المتوفی سنہ ۱۸۳ھ) اور خلیل ابن احمد (المتوفی سنہ ۱۷۵ھ) نے اس فن کو مستقل کیا۔ "پرویز"۔

ؔ قرآن کریم نے اہل کتاب کے متعلق کہا ہے کہ جب نبی کریم ان کے پاس آئے تو باوجودیکہ آپ (صلعم) ان کی تصدیق کرتے تھے مگر نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (۲-۱۰۱) (ترجمہ) ان اہل کتاب میں سے ایک فریق نے خود کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا جیسے کہ ان کو کچھ علم ہی نہیں۔
بعینہ یہی حالت آج ہماری ہے۔ قرآن ایک نور تھا جو ہمیں اس لئے دیا گیا تھا کہ اس سے سیدھا راستہ دیکھتے چلیں لیکن ہم نے اس نور کی شمع ہدایت کو مقلد کے پیچھے رکھ دیا جس سے ہمارا ماضی تو ضرور درخشندہ ہوگیا لیکن مستقبل کو ہم نے خود اپنے ہی سایہ سے تاریک کر لیا۔ اور روشنی ہوتے ہوئے بھی ہم اندھیرے میں رہے۔ پرویز۔

ان کی تحقیقات کے نتائج ایسے ہی غیر متبدل اور ناقابل ترمیم گردانے گئے جس طرح خود قرآن ۔ تفاسیر لکھی گئیں تو انہی طریقوں پر اور مسائل مستنبط ہوئے تو اسی نہج پر ۔ ان کے بعد جو بھی صاحب علم پیدا ہوا اس نے متقدمین کی علمی تحقیقات سے ایک قدم بھی ادھر ادھر ہٹنا گویا خود قرآن سے انحراف سمجھا ۔ اس لئے انہی بنیادوں پر ردّے پر ردّا چڑھتا چلا گیا ۔ اور دین کی ایک ایسی مستحکم عمارت قائم ہوگئی ۔ جس کی بنیادیں ذہن انسانی کی معین کردہ تھیں پچھلے وقتوں تک تو خیر یہ چیز نبھتی چلی گئی ۔ کیونکہ ایمان بالغیب کے لئے دلوں میں ابھی تڑپ باقی تھی ۔ لیکن جس شخص کو آج کسی "ناقد ذہن" سے واسطہ پڑتا ہے وہ اس مشکل کا بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے جو اسے ایسے شخص کے سامنے اسلام پیش کرنے میں پیش آتی ہے ۔ آج دنیا کہیں سے کہیں چلی گئی ۔ خود قرآن میں تو یہ بات موجود ہے کہ دنیا خواہ اپنی موجودہ سطح سے لاکھ گنا بھی کہیں اور بلندیوں پر چلی جائے تو قرآن اس سے بھی کروڑ گنا اور بلند ہوگا لیکن ذہن انسانی کی پرواز جو آج سے ہزار سال قبل ایک سطح معین کر چکی تھی، وہ تو بہر حال آج سے پیچھے ہی ہوگی ۔ لہذا آج فطرت انسانی کو کس طرح سے مجبور کیا جائے کہ وہ اس سطح کو بھی انتہائی بلندیوں کا نشیمن سمجھ کر مطمئن ہو جائے ۔ نتیجہ اس جبر و اکراہ کا یہ ہوتا ہے کہ کہیں تو کوہ آتش فشاں کی طرح علانیہ مذہب سے تبرا و بیزاری برتی جاتی ہے ۔ اور کہیں آتش خاموش کی طرح ارتیابی کیفیت اپنی سوزش پنہاں سے حسن ایمان و ایقان کو خاک کا ڈھیر بناتی جاتی ہے ۔ لہذا اگر قرآنی حقائق اور اسلام کی تعلیم فطرت پر سے اکتسابی غلاف اتار کر اس کی اصلیت کو بے نقاب کرنے کا وقت کبھی آیا ہے تو وہ آج ہے ۔

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے ۔

ضرورت ہے کہ اسلام کو قرآن اور قرآن کی تفسیر ناطق یعنے اسوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں نمایاں کیا جائے ۔ اور انسانوں کے مرتب کردہ قواعد و ضوابط کو اگر دیکھا بھی جائے تو مشورۃً نہ کہ انہی کو عین دین قرار دے لیا جائے ۔

لیکن اس ضرورت کا احساس ہوا بھی تو بدقسمتی سے مسلمانوں کے اور دیگر مسائل کی طرح افراط و تفریط کی رو میں تدبر فی القرآن کے لئے مصنوعی غلافوں کو اس زور سے اتار کر پھینکا گیا کہ ساتھ ہی اس معلم الکتاب والحکمۃ کی ردائے مبارک بھی الجھ کر اتر گئی جس کو خود خدا نے قرآن سمجھانے ہی کے لئے بھیجا تھا جس نا کتاب اللہ کا یہ غلط مفہوم سمجھا گیا کہ قرآن پر عمل پیرا ہونے کے لئے اسوہ رسول اللہ کی بھی ضرورت نہیں۔ لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ پہلے تو خیر مسلمان اگر امام الامم نہیں بنے تھے تو مومنین کی صف میں تو تھے۔ مگر اب رسول کی اطاعت سے انکار کر کے ان صفوں سے بھی بیک بینی و دو گوش نکالے گئے۔ اور اصلاح و تجدد کے اس تشدد نے انہیں دین و دنیا میں کہیں کا بھی نہ رکھا۔ قرآن کو حشو و زوائد سے پاک کرتے کرتے اس کی اصل پر ہی تبرآزمائی شروع ہو گئی۔

افراط و تفریط کے اس مد و جزر سے مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری کے تدبر فی القرآن کا نتیجہ ان کی تازہ تالیف "تعلیمات قرآن" کی شکل میں برآمد ہوا۔ بدقسمتی سے مولانائے ممدوح کے متعلق اس سے پہلے کچھ غلط فہمیاں پیدا ہو چکی تھیں، اور انھیں بھی عام طور پر منکرین حدیث کے زمرہ میں شمار کیا جا رہا تھا۔ اس لئے جب یہ کتاب میرے سامنے آئی تو سب سے پہلے میں نے باب رسالت اور اس میں سے بھی بالتخصیص اطاعت رسول کے عنوان کو دیکھا۔ کیونکہ یہی وہ مقام ہے، جہاں منصب رسالت کے عدم فہم سے ایک اصولی فرق پڑتا ہے۔ سب سے پہلے جو فقرہ مجھے کھٹکا وہ یہ تھا۔

رسول کا فریضہ صرف پیغام الٰہی پہنچانا ہے اور بس (۱۲۸)

میں نے سمجھا کہ یہ وہی استدلال ہے جو تبیین احکام کے خلاف "اہل قرآن" لایا کرتے ہیں لیکن انہوں نے حاشیہ کی تشریح میں اسے خود ہی صاف کر دیا ہے۔ کہ

"رسولوں کا کام صرف دین کا پہنچانا ہے۔ دین کا بنانا نہیں" (۱۱)

یہی شبہ پھر ص ۱۵۵ پر "اطاعت رسول" کے عنوان کے تحت جا کر پڑتا ہے جہاں پھر یہ مذکور ہے کہ

بحیثیت منصب رسالت رسول کا فریضہ صرف پیغام الٰہی کی تبلیغ ہے اور بس

لیکن اس شبہ کا ازالہ بھی دو چار سطریں آگے بڑھ کر ہو جاتا ہے جہاں لکھا ہے کہ:۔

"ہمارے رسول صرف اللہ کی کتاب یعنی قرآن کے مبلغ تھے"

وَاُوحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَمَنْ بَلَغَ۔ (۶: ۲) میرے اوپر یہ قرآن وحی کیا گیا ہے کہ اس سے تم کو بھی آگاہ کر دوں۔ اور ان لوگوں کو بھی جن کو وہ پہنچے۔

اس تبلیغ کی تشریح ان الفاظ میں ہوتی ہے۔

تلاوت وتبیین آیات تعلیم کتاب وحکمت وتزکیہ نفوس سب اسی تبلیغ کے اجزا ہیں۔ (ص۱۵۶)

نیز:۔"تعلیم کتاب کا ایک شعبہ یہ بھی تھا کہ رسول اس کے احکام پر عمل کرکے دکھا دے تاکہ امت اسی نمونہ پر عمل پیرا ہو جائے"۔

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِی رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (۳۳: ۲۱) تمہارے لئے رسول کے اندر اچھا نمونہ ہے۔

چنانچہ اس کو وہ عمل متواتر کہتے ہیں۔ جس کی مخالفت بقول ان کے خود قرآن کی مخالفت ہے۔

اس کے بعد اطاعت رسول میں دوسری گھاٹی آتی ہے۔ جہاں منکرین حدیث رسول کی اطاعت بحیثیت امیر ہی فرض سمجھتے ہیں اور بس۔ اس کے متعلق مولنا تحریر فرماتے ہیں:۔

"بحیثیت رسول آپ کی اطاعت قیامت تک فرض ہے کیونکہ قرآن ہمیشہ کے لئے ہے لیکن بحیثیت امیر آپ کی اطاعت بالمشافہ تھی" ص۱۵۷۔

اور:۔

"بحیثیت رسالت آپ کو کسی سے مشورہ لینے کا حکم نہ تھا بلکہ فریضہ تبلیغ اللہ کی طرف سے آپ کے ذمہ لازم کیا گیا تھا" (۱۱)

ان تصریحات اور مولنا صاحب کے اس بیان کی روشنی میں جو انہوں نے اپنے مسلک کے متعلق "معارف" بابتہ ماہ مئی میں شائع کیا ہے کم از کم میں تو اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ وہ اگر متشدد فی الحدیث نہیں تو

منکر حدیث بھی نہیں ہیں۔ اور ان کا یہ فقرہ خاص طور پر قابل غور ہے کہ۔

"جس بات کے متعلق تحقیق ہو جائے کہ رسولؐ نے فرمائی ہے۔ اس کے متعلق کوئی بحث باقی نہیں رہتی"

اس کے بعد ان سے اگر کچھ اختلاف ہو سکتا ہے تو فن روایت و درایت کی شرائط کے متعلق ہی ہو سکتا ہے نہ کہ قال الرسول کی حجیت اور عدم حجیت پر۔

منصب رسالت کے متعلق ان کا مسلک دیکھ لینے کے بعد اب ہم اصل کتاب کے باقی حصص کو دیکھتے ہیں۔ اس کتاب کی غرض و غایت کے متعلق وہ تحریر فرماتے ہیں کہ

"ایک عرصہ سے میرا خیال تھا کہ قرآن کی تعلیمات کو اس طرح مسلمانوں کے سامنے پیش کروں کہ آسانی سے سمجھ لیں۔ (دیباچہ صث)۔

اس خیال کے مبارک ہونے میں کسے کلام ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد لکھا ہے:۔

"جس طرح بھی ہو سکا اس سال میں نے تعلیمات قرآن کا یہ ایک حصہ مرتب کیا ہے۔ اس میں قرآنی آیات چن کر ترتیب کے ساتھ فراہم کی گئی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ مسلمان جو اب تک قرآن کو تفسیروں اور ترجموں سے سمجھنے کے عادی ہیں، اس کتاب سے خود قرآنی آیات سے اس کو زیادہ فصاحت اور آسانی کے ساتھ سمجھ سکیں گے" (صث)

متقدمین رحہ کی تفاسیر کے اس زمانہ کے لئے ناکافی ہونے پر اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے۔ باقی رہا ترجمہ۔ سو اگر کسی لفظ قرآنی کا مفہوم خود قرآن کے دوسرے مقامات سے واضح طور پر معلوم ہو سکے تو لغت کی بجائے یہ زیادہ نافع ہوتا ہے۔ کیونکہ لغت کی مدوین پر اس زمانہ کے ماحول اور لٹریچر کا بہت گہرا اثر ہوتا ہے جس میں لغت مدون کی گئی ہو۔

کتاب میں اجزاء ایمان (خدا۔ ملائکہ۔ رسالت۔ کتاب اور معاد) کے علاوہ نفس دین اور

(یعنی تخلیق انسانی اور انسانی معاشرت کے بہمات اصول) کے متعلق قرآنی آیات مختلف عنوانات کے تحت جمع کی گئی ہیں۔ "ہر ایک عنوان پر اختصار کی غرض سے کم آیتیں لکھی گئی ہیں۔ اور استیعاب کی کوشش نہیں کی گئی" (صث)۔ اگرچہ استیعاب نہ ہونے کی صورت میں بالعموم یہ اعتراض پیدا ہوجاتا ہے کہ مولف نے اپنا نقطۂ نگاہ ثابت کرنے کے لئے انہی آیات کو چنا ہے جو اس کے خیال کی موید ہیں لیکن کتاب پر ایک عمومی نظر ڈالنے سے واضح ہوجاتا ہے کہ مؤلف نے اختصار اس غرض کو مدنظر رکھکر نہیں کیا بلکہ محض اختصار کی غرض سے ہی کیا ہے یہ بات اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ پچھلے دنوں ان کے بعض خیالات کی تردید میں جو مضامین شائع ہوئے ہیں، ان میں جو آیات قرآنی ان کے خیالات کی تردید میں پیش کی گئی ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر خود انہوں نے اس کتاب میں جمع کر رکھی ہیں۔ البتہ انکا مفہوم معترضین سے جداگانہ لیا ہے۔ اگر اختصار کا مقصد یہی ہوتا کہ تردید سے بچ سکیں تو ان آیات کو وہ آسانی سے چھوڑ سکتے تھے، لہذا اس باب میں ان کی نیت کے متعلق شبہ کرنے کے لئے کافی وجوہ موجود نہیں ہیں۔

کتاب کی بنیاد کے متعلق وہ خود فرماتے ہیں کہ

"میں نے اس کتاب کے متن کی بنیاد قرآن کی نصوص صریحہ پر رکھی ہے تاکہ انکار یا بحث کی گنجایش نہ نکل سکے" (صث)

اسوۂ رسول اللہ کے متعلق ان کا مسلک (جو اوپر مذکور ہے) پیش نظر رکھنے کے بعد یہ خیال بھی نہایت مستحسن ہے۔ متن کے بعد جو کچھ انہوں نے اپنی طرف سے تشریح کی ہے۔ وہ حواشی میں درج ہے اور ان کے متعلق بھی انہوں نے خود ہی واضح کر دیا ہے کہ

"میں اپنی باتوں کو اتنی وقعت بھی نہیں دیتا کہ کوئی صاحب ان پر اعتراض کی زحمت گوارا کریں میرا مقصود صرف یہ ہے کہ قرآن کو قرآن ہی سے سمجھیں" (صث)

جہاں تک اجزاء ایمان کا تعلق ہے، کتاب میں کوئی بحث محل نظر معلوم نہیں ہوتی۔ البتہ ان اصول سے

جو مسائل متفرع ہوتے ہیں۔ ان میں دو چار مقام ایسے ہیں جہاں مروجہ عقاید سے اختلاف کیا گیا ہے۔ مثلاً وہ نفس معجزہ کا وقوع ازروئے قرآن ثابت سمجھتے ہیں لیکن نبی کریمؐ کے لئے حسّی معجزات کا ثبوت قرآن سے نہیں پاتے۔ اسی طرح وہ قیامت کی جزئیات تک کے قائل ہیں جن کی تفصیل قرآن میں مذکور ہے لیکن موت و قیامت میں فصل زمانی نہیں مانتے لہٰذا عذابِ برزخ ان کے نزدیک قرآن سے ثابت نہیں۔ اسی طرح وہ تقدیر کو اجزاءِ ایمان میں سے نہیں مانتے بلکہ قرآنی مسائل میں سے ایک مسئلہ قرار دیتے ہیں۔

دین میں تفرقہ اندازی کے متعلق لکھتے ہیں کہ :-

"علماء میں اختلافات پڑتے ہیں۔ اور ہر ایک کی پیرو ایک ایک جماعت ہوجاتی ہے جو اس کو اپنا امام مان کر اس کے اقوال کو اسی طرح بلا سند تسلیم کرنے لگتی ہے جس طرح اللہ کے قول کو اس لئے ہر فرقہ کا مرکز الگ الگ ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے ان کے اختلافات کا مٹنا محال ہوجاتا ہے۔ اب تا وقتیکہ وہ اشخاص پرستی کو چھوڑ کر کتاب اللہ کی طرف نہ رجوع کریں اور سب کے سب اس ایک مرکز پر نہ آجائیں، اس وقت تک متحد نہیں ہوسکتے"۔ (۴۷)

اس میں شبہ نہیں کہ دین میں تفرقہ اندازی جرم عظیم ہے۔ اور کسی امام کے قول کو اللہ کے قول کی طرح بلا سند تسلیم کرنا بھی کبھی جائز نہیں رکھا جا سکتا لیکن سوسائٹی کے استبقاء و اصلاح کے لئے کسی ایک شرح قانون کی تو لامحالہ ضرورت ہے۔ اس لئے اگر قانون کے لئے کسی امام فن کے مدون کردہ ضابطہ کی طرف رجوع کر لیا جائے تو امید ہے کہ مولانا ممدوح اسے اُس تفرقہ اندازی سے منسوب نہ کرتے ہوں گے جس کی بنا پر شرک لازم آجاتا ہے۔

ص؎۔ ان تمام اختلافات پر جامعہ اور معارف میں کافی بحث ہو چکی ہے۔ لہٰذا از سر نو اس بحث کو چھیڑنے کی ضرورت نہیں۔ پرویز۔

سب سے بڑی ضرورت جس کا احساس ایک عرصہ سے پیدا ہو رہا ہے۔ تبویب القرآن ہے۔ یہ ہمارا ایمان ہے کہ قرآن کے مضامین جس انداز و طریق سے قرآن میں رکھے ہیں اس سے بہتر ترتیب پیدا ہو ہی نہیں سکتی۔ لیکن اس کے فہم کے لئے تدبر فی القرآن کی بڑی ضرورت ہے اس کے لئے قرآن پر اتنا عبور ہونا چاہئے کہ بیک وقت تمام قرآن کے مختلف مقامات جنمیں یہ مضامین بکھرے ہوئے موتیوں کی طرح زینت نگار ہیں نظر کے سامنے آجائیں لیکن یہ اس زمانہ کی باتیں ہیں جب قرآن سے لوگوں کو شغف تھا۔ اس کی تلاوت زندگی کے لوازم میں سے تھی۔ لیکن آج تو صورت ہی جداگانہ ہے۔ آج یہی نہیں کہ مریض کو مرض کا احساس نہیں ہے بلکہ وہ دوا کے نام سے کوسوں بھاگتا ہے۔ لہذا ضرورت ہے کہ دوا کو خوش منظر و خوش ذائقہ بنایا جائے۔ کنین کی گولی پر شکر کا غلاف چڑھایا جائے۔ جب وہ قرآن کے پاس ہی مشکل آتے ہیں تو ان سے یہ توقع رکھنی کہ اس پر عبور حاصل کر کے اس کے حقائق و معارف سے لذت اندوز ہوں، عبث ہے اس لئے بنا بر ضرورت، ان کے لئے قرآن کو اس شکل میں پیش کر دینا چاہئے کہ اس میں ایسا ربط پیدا ہو جائے جیسا انسانی کلام میں ہوتا ہے (میں خود ایک مدت سے اس خیال میں ہوں کہ قرآن کریم کا ایک ایسا انسائیکلو پیڈیا تیار ہو جائے کہ تمام قرآنی تعلیم مختلف عنوانات کے ماتحت ایک وقت سامنے آجایا کرے۔ خدا کرے میرے اس خواب کی تعبیر کبھی سچی نکل آئے۔ وما توفیقی الا باللہ) تبویب القرآن پر دو ایک کتابیں نظر سے بھی گذریں لیکن "تعلیمات قرآن" میں جس ترتیب کی بنیاد رکھی گئی ہے وہ نہایت عمدہ ہے چنانچہ اس کا اثر یہ ہوا ہے کہ جس حلقہ میں قرآن پہنچانے کے لئے بڑی دقت کا سامنا ہوتا تھا، انہوں نے اس کتاب کو دلچسپی سے پڑھا ہے۔

بہرحال کتاب ابھی نقش اوّل ہے اور اس میں بڑی وسعتوں کی گنجایش ہے۔ آئندہ اس میں انہی عنوانات پر اور ابواب کا بھی اضافہ ہو سکتا ہے۔ اور فہرست مضامین تو اس سے کہیں مفصل ہو سکتی ہے۔ با ایں ہمہ کتاب بطور (Reference Book) ابھی نہایت کارآمد ہے اور اس نے ایسی دقتوں کو

رفع کر دیا ہے جو مدت سے محسوس ہو رہی تھیں۔ قرآن سے شغف رکھنے والوں کے لئے یہ کتاب نعمت غیر مترقبہ ہے

میرا مقصد اس تعارف سے صرف یہ ہے کہ مولانائے موصوف نے جس عمارت کا خاکہ کھینچا ہے۔ چونکہ وہ نہایت اہم اور وقت کی اشد ضروریات کو پورا کرنے والی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ جذبات کے سیلاب میں یہ نقوش بہ جائیں۔ کتاب بہر کیف انسانی دل و دماغ کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ جس میں سہو و خطا اور رجحان قلبی کا یقیناً امکان ہے۔ اس لئے اختلافی مسائل میں بجائے ذاتیات میں الجھنے کے، متانت اور سلامت روی سے تدبر کرنا چاہیے۔ اور خوامخواہ مؤلف پر بدنیتی کا الزام نہیں دھر دینا چاہیے کیونکہ انکا اپنا بیان ہے کہ

> قرآن کے اندر نہ میں خود اپنا خیال لے کر گھسا ہوں نہ کسی کے خیال کی پرواہ کی ہے۔ بلکہ دیانتداری و تقوی کیساتھ قرآن کو خود قرآن ہی سے اپنی بصیرت کے مطابق سمجھنے کی کوشش کی ہے ص۸

پھر اس میں اگر کوئی غلطی معلوم ہو تو اسے بھی نیک نیتی کے ساتھ ظاہر کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے اس بارہ میں بھی مولف کا خود اعلان ہے کہ

> جہاں جہاں مجھ سے غلطیاں ہوئی ہوں اگر طالبین قرآن ان سے مجھکو مطلع فرمائیں گے تو میں ممنون ہونگا۔ اور انشاء اللہ اپنے خیال اور کتاب دونوں کی اصلاح کر دونگا (ص۱۱)

لہذا قطع نظر ان تمام فرعی اختلافات کے جو مولانائے موصوف سے کسی کو ہوں، انکا حسن اقدام مبارکباد کا مستحق ہے کیونکہ انہوں نے ایک ایسے اہم کام کی داغ بیل ڈالی ہے۔ جو انفرادی کوششوں کا نہیں بلکہ ایک جماعت کے کرنے کا تھا۔ اور اگر فرعی اختلافات مٹ جانے کے بعد اپنی بنیادوں پر یہ عمارت مکمل ہو گئی تو شاید اس کے صدقے میں وہ غفور رحیم ہم سے اس غضب کو اٹھائے جس میں آج ہم مبتلا ہیں۔ اور شاید کبھی ہم پھر بھی یہ کہنے کے قابل ہو سکیں کہ

زمین از گردش تقدیر ما گردوں شود روزے ۔۔۔ فروغ خاکیاں از نوریاں افزوں شود روزے

(اقبال)